پاکستان کے 5 آئین شکن اور 4 آئین پابند مارشل لاء پر

رائے عامہ کا تجزیہ

اعجاز شفیع گیلانی، چیرمین
گیلانی ریسرچ فاؤنڈیشن

پاکستان کے 5 آئین شکن اور 4 آئین پابند مارشل لاء پر رائے عامہ کا تجزیہ

یہ بات قابل تشویش ہے کہ 1947 میں پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک ملک میں 10 ملک گیر انتخابات ہوئے ہیں۔ اور 9 مرتبہ فوجی مداخلت یا مارشل لاء کا نفاذ ہوا ہے ۔ ان میں سے 5 آئین کے علی الرغم تھے۔ چنانچہ انہیں دستور کو منسوخ یا معطل کرنا پڑا (1958, 1969, 1977, 1999, 2007) اور 4 ایسے مواقع تھے جب ملک کے دستور میں ایسی دفعات موجود تھیں جن میں آئین کے تحت صدر مملکت فوجی مداخلت کی درخواست کر سکتا تھا (1988,1990,1993,1996)- اب جب کہ پاکستان کے 10ویں قومی انتخاب کے بعد دسویں فوجی مداخلت کے اندیشے اور امکان کا تذکرہ ہو رہا ہے تو مناسب ہے کی اس سے قبل 9 فوجی مداخلتوں کے موقع پر پائی جانے والی تاریخ کا تجزیہ کیا جائے۔

رائے عامہ کے شعبے میں اپنی پیشہ ورانہ دلچپی اور طویل ریاضت کے باعث میں یہ نشان دہی کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی پہلی آٹھ فوجی مداخلتوں کے وقت فوج کے سیاست میں کردار کو بالعموم قدرے وسیع عوامی تائید حاصل تھی۔ بلکہ بالعموم اسے قریباً نصف آبادی کی جانب سے خیر مقدم ملتا رہا، یہ تمام ادوار پاکستانی سیاست میں نظریات اور علاقائیت کی بنیاد پر منقسم (polarized) سیاست کے ادوار تھے۔ لیکن حالیہ ترین مارشل لاء جو 2007 میں لگایا گیا اُس حمایت سے محروم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُسے جلد ہی منسوخ کرنا پڑا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تازہ

ترین صورتحال پہلے آٹھ جیسی ہے یا 2007 جیسی یا اُس سے بھی مختلف۔ رائے عامہ کی روشنی میں اس مسئلے پر اپنا تجزیہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

پہلے دونوں مارشل لاء میں رائے عامہ علاقائیت کی بنیاد پر تقسیم تھی۔ یہ علاقائیت اُس وقت مشرقی اور مغربی پاکستان کے باہمی اختلاف پر مبنی تھی۔ چنانچہ پہلے دونوں مارشل لاء کے وقت مشرقی پاکستان کی اکثریتی رائے اُن کی مخالف اور مغربی پاکستان میں حامی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کم وبیش نصف رائے فوج کو نجات دہندہ اور باقی ناپسندیدہ سمجھتی تھی۔ شومئ قسمت سے پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد اس تقسیم کی بنیاد کا وجود یہیں ختم ہو گیا۔ اُس کے بعد ملک میں ایک نظریاتی کشمکش نے لے لی۔ اور قومی سیاست لیفٹ اور رائٹ یا پی پی پی دوست اور پی پی پی دشمن گروہوں میں تقسیم ہوگئ۔ پاکستان کی تیسری فوجی مداخلت کے وقت یعنی 1977 میں یہ تقسیم اور عداوت اپنے عروج پر تھی۔

یہ وہ وقت تھا جب دونوں مارشل لاء کے نفاذ پر مٹھائیوں کے لڈو کھانے اور خوشیاں منانے کے عوامی مظاہرے کوئی اجنبی نہ تھے۔ اور ملک کے نامور سیاستدان اس میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ پاکستان کا تیسرا مارشل لاء ایک ایسے وقت میں آیا تھا جب ملک ٹوٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کا واقعہ ابھی تازہ تھا۔ اور نئے پاکستان کی چار اکائیاں ایک نئے دستور یعنی 1973 کے آئین کی بنیاد پر جمع ہوئی تھیں۔ لہذا مارشل لاء حکومت اسے منسوخ کر کے ملک کی مزید تقسیم سے خائف تھی۔ یہی وجہ ہے کی اس نے رفتہ رفتہ یہ

تصور وضع کیا کہ سیاستدانوں کی کجی روی، کج فہمی کے باعث انہیں اقتدار منتقل تو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اقتدار کی شراکت کی جا سکتی ہے۔ حاکمیت کے اس سول ، فوجی اشتراک کو 1973 کے آئین میں شامل کرنے کے لئے آئین کی دفعات میں تبدیلی کر کے ایک شق شامل کی گئی جو 58-B کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ اس میں ایک ایسے صدر کی گنجائش تھی جو ضرورت محسوس ہونے پر افواج پاکستان کی مدد سے سیاسی حکومت کو برطرف کر سکے۔ چنانچہ آئندہ چار فوجی مداخلتیں آئین کی اس شق کے استعمال سے ہوئیں۔ (1996,1993,1990,1988) جب اس کا پہلا استعمال 1988 کے وسط میں ہوا۔ اُس وقت تو جنرل ضیا الحق حیات تھے۔ رائے عامہ کی وہ تقسیم جس کے نتیجے میں انہوں نے 1977 کا مارشل لاء لگایا ابھی بدستور قائم تھی۔

رائے عامہ کا قریباً نصف پیپلز پارٹی سے محبت اور بقیہ نصف عداوت کے جذبات رکھتا تھا۔ پیپلز پارٹی سے عداوت رکھنے والے اپنی پسندیدہ سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے زیادہ جنرل ضیا الحق کو رہنمائی کا مرتبہ دیتے تھے۔ مسلم لیگ اور مذہبی جماعتوں کے حامی اس طرزِ فکر میں پیش پیش تھے جس کی نشاندہی رائے عامہ کے سروے اور دیگر دستاویزات میں موجود ہے۔ یہی وہ رائے عامہ تھی جو اسلامی جمہوری اتحاد کے نام پر جمع ہوئی اور اُس نے اپنے منتشر ووٹ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے پیپلز پارٹی کے خلاف 1988 کا انتخاب لڑا۔

یہاں سے بے نظیر اور نواز شریف کے درمیان لڑے جانے والے چار قومی انتخابات اور چار فوجی مداخلتوں کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی تین فوجی مداخلتیں آئین پابند تھیں جبکہ چوتھی آئین شکن تھی۔

اس نئے سلسلے کی پہلی مداخلت اور پاکستان کی سیاسی تاریخ کی پانچویں مداخلت 1990 میں ہوئی۔ اس موقع پر رائے عامہ کی شدید تقسیم قائم تھی۔ ملک بھٹو دوست اور بھٹو دشمن سیاست میں تقسیم تھا۔ اس کا واضح ثبوت 1990 کے انتخابی نتائج تھے جن میں دونوں گروہوں کو کم وپیش برابر یعنی ہر فریق کو اندازاً چالیس فیصد ووٹ ملے تھے۔ جبکہ باقی 20 فیصد بھی کافی منقسم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فوج کو بے نظیر بھٹو کو برطرف کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ البتہ بھٹو مخالفین میں سے سربراہی کس کو ملے یہ مسئلہ اتنی آسانی سے حل نہ ہوا۔ شواہد بتاتے ہیں کہ فوجی مداخلت کی پہلی ترجیح سندھ کے غلام مصطفی جتوئی اور دوسری ترجیح پنجاب کے نواز شریف تھے۔ انتخابی نتائج نے البتہ ایسی صورتحال پیدا کر دی کہ فوج کو اپنے دو ساتھیوں میں سے کم پسندیدہ ساتھی یعنی نواز شریف کو ترجیح دینا پڑی اور وہ پاکستان کے وزیراعظم بن گئے۔

نواز شریف کے وزیراعظم بننے سے پاکستان کی سیاسی رائے عامہ کی تقسیم (polarization) میں کوئی کمی نہ ہو سکی۔ بے نظیر اور نواز شریف دونوں نے مفاہمت کی کچھ ابتدائی کوششیں کیں۔ لیکن شواہد بتاتے ہیں کہ اس وقت کے صدر مملکت غلام اسحاق خان کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے ملک میں رائے عامہ کی واضح تقسیم (polarization) تو بدستور قائم تھی لیکن ایک تبدیلی ظہور پذیر ہو رہی تھی۔ وہ یہ کہ متحارب ووٹر شاہراؤں پر تصادم کرنے سے گریز کرنے لگے تھے۔ یہ شدت جذبات میں کمی کی ایک واضح علامت تھی۔ ہم اس دور کے انتخابات کے دوران انتہائی بڑے جلسوں اور جلوسوں کی دستاویزات اس نئے رجحان کی گواہ ہیں۔

پاکستانی سیاست میں چھٹی فوجی مداخلت 1993 میں اس وقت ہوئی جب فوج اپنے ہی حمایت یافتہ وزیراعظم یعنی نواز شریف سے مطمئن نہ رہی اور اُس نے اپنا وزن نواز شریف کی بجائے بینظیر کے پلڑے میں ڈال دیا۔ اپنے سابقہ تحفظات سے قطع نظر اب فوج کی نظر میں ان دونوں لیڈروں یعنی نواز شریف اور بے نظیر میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔اس سے قبل ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے کی لیفٹ اور رائٹ تقسیم میں فوج رائٹ کی حمایت اور لفٹ سے عداوت رکھتی تھی۔ لیکن سویت یونین کی تخریب کے بعد دنیا بھر میں لفٹ اور رائٹ نے اپنی سابقہ حیثیت کھو دی تھی اِس موقعے پر فوجی مداخلت دو مرحلوں پر ہوئی۔ پہلی مرتبہ اُسے وسیع تائید حاصل نہیں تھی۔ مزید براں عدالت نے اُس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ جس کے بعد دوسری مداخلت کے نتیجے میں یہ عمل مکمل ہوا۔ فوجی مداخلت کے موقعے پر پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے اُسی طرح سے خوشی منائی جس طرح سے تین سال قبل فوج کے ہاتھوں اُن کی اپنی برطرفی کے موقع پر مسلم لیگ اور اسلامی جمہوری اتحاد نے منائی تھی۔ تاریخی دستاویزات اور رائے عامہ کے سروے بتاتے ہیں کہ 1993 میں چھٹی فوج مداخلت کے بعد سیاسی رائے میں ٹوٹ پھوٹ کا ایک عمل شروع ہوا۔ اُس کے تمام محرکات کی تشریح کے لیے یہ مضمون ناکافی ہو گا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ پنجاب میں پیپلز پارٹی کے حامیوں کی نئی نسل اپنی ہمدردیاں تبدیل کرنے لگی۔ لیفٹ اور رائٹ کی تقسیم کے زمانے کے بہت سے سیاسی کارکن اور دانشور لیفٹ کے فلسفہ پر اپنے سابقہ تصورات سے بغاوت کئے بغیر سیاسی ہمدریاں تبدیل کرنے پر مائل ہوئے۔ یہ تبدیلی آئندہ بیس سال کی سیاست کو سمجھنے کے لیے انتہائی اہم

ہے۔ نئی حکومت کو تین سال بھی نہ گزرے تھے کہ پاکستان کی تقسیم زدہ (polarized) سیاست ایک نئی فوجی مداخلت کے لیے پر تولنے لگی۔ اس لمحے گردش کرنے والے مفروضوں میں سے ایک مفروضہ یہ تھا کہ سیاستدانوں کی باہمی اکھاڑ بچھاڑ کے بعد رائے عامہ سیاستدانوں سے اس قدر بیزار اور بدظن ہو چکی ہے کہ فوجی مداخلت کے بعد وہ شاید ووٹ دینے بھی نہ نکلیں اور احتساب کو انتخاب پر ترجیح دے کر ایک دیانتدار اور قابل ٹیکنو کریٹ کابینہ کو سیاسی لوگوں پر ترجیح دے دیں۔ چنانچہ پاکستان کی ساتویں فوجی مداخلت 1996 میں ظہور پذیر ہوئی۔ تو عبوری حکومت نے اس امید پر انتخابات کا اعلان کیا کہ شاید نئے انتخابات قوم کو جمہوریت ہی سے مایوس کر دیں۔ اُسے توقع تھی کہ ووٹنگ کی شرح بہت کم نکلے گی نتائج میں کسی پارٹی کو بھی نمایاں کامیابی نہ ہوگی۔ اسی طرح ایک ایسی صورتحال پیدا ہوجائے گی جس میں شاید ٹیکنوکریٹ حکومت کے دوام کا راستہ نکل آئے۔

بظاہر دونوں بڑی پارٹیوں کا پلہ برابر تھا۔ کیونکہ تین سال قبل انتخابات میں حکومت میں آنے والی پیپلز پارٹی کو بھی 40 فیصد ووٹ ملے تھے اور اس کی مخالف مسلم لیگ نواز کو بھی 40 فیصد ووٹ ملے تھے۔ بھٹو دوست اور بھٹو دشمن سیاست میں ایک بڑی دڑار پڑ چکی تھی۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں مسلم لیگ نے پنجاب کی کم و پیش تمام انتخابی سیٹیں جیت لی تھیں۔ کیونکہ قومی اسمبلی کی نصف سے زائد سیٹیں پنجاب میں ہیں۔ لہذا نواز شریف کو دوتہائی اکثریت مل گئی۔ وزیر اعظم بننے کے فوراًبعد انہوں نے اس اکثریت کا بہت زعم کیا۔ کوشش کی کہ سیاسی امور میں فوج کی بالادستی کو چیلنج کریں۔ اس کے لیے انہوں نے پارلیمنٹ سے آئین کی شق 58-B حذف کروادی

اور اپنی دانست میں آئین پابند فوجی مداخلت کا دروازہ بند کردیا۔ لیکن وہ پاکستان کی منقسم سیاست میں سیاستدانوں کی باہمی عداوت کو دور کرنے میں ناکام رہے۔ نواز، بینظیر عداوت حسبِ سابق برقرار تھی۔ جب تین سال کی پرتلاطم سول، ملٹری کشمکش کے بعد نواز حکومت کی رخصتی کا موقع آیا تو فوج دو مسائل سے دوچار ہوئی۔ اولاً یہ کہ اب کسی آئین پابند فوجی مداخلت کی گنجائش نہیں تھی اور دوم یہ کہ دو مرتبہ بدعنوانی کے الزامات پر برطرف کرنے کے بعد ایک تیسری مرتبہ بے نظیر ہی کو حکومت دینا قدرے دشوار تھا۔ مزید یہ کہ اس دوران یہ تاثر عام کیا گیا تھا کہ تمام سیاستدان خراب اور نااہل ہیں۔ اور ایک ٹیکنوکریٹ حکومت ملک کی بہتر خدمت کرسکتی ہے۔

یہ وہ حالات تھے جن میں پاکستان کی تاریخ کی آٹھویں فوجی مداخلت ایک آئین شکن مارشل لاء کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی اور اکتوبر 1999 میں جنرل پرویز مشرف کی سربراہی میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ یہاں سے پاکستان کی سیاسی رائے عامہ میں ایک نئی جہت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس موقع پر کئے جانے والے متعدد رائے عامہ سروے اور دیگر تاریخی دستاویزات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ قریباً دو تہائی اکثریت نے فوجی مداخلت کی حمایت کی لیکن اس حمایت کا محور پیپلز پارٹی کی بجائے ایک نئی ٹیکنوکریٹ حکومت کا خواب تھا۔ پاکستانی رائے عامہ ایک دوطرفہ (Bipolar) کشمکش کی بجائے ایک تین طرفہ (Tripolar) دور میں داخل ہوچکی تھی۔ جس میں تیسری سمت ایک نیا فریق تھا جسے ہم ٹیکنوکریٹ پارٹی کہہ سکتے ہیں۔ یہ بلاوجہ نہیں تھا کہ 1999 کی فوجی مداخلت کے وقت حکومت مخالف رائے اُس جوش وخروش اور یکسوئی کے ساتھ اُس کی پذیرائی نہیں کی جو اس پہلے دکھائی دیتی تھی۔ سابقہ

روایت کے برعکس دونوں متحارب سیاسی پارٹیاں زیر عتاب آنے لگیں۔ اور ایک نئے انداز کی حکومت وضع پائی جس پر اُس کے ناقدین نے این جی او حکومت کی پھبتی کسی۔

1999 کے بعد سے فوجی مداخلت پر رائے عامہ کا زوال شروع ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر رائے عامہ کی دوطرفہ تقسیم کے سبب ووٹروں اور عوام میں جڑیں رکھنے والے سیاسی طبقے کا قریباً نصف یا اُس سے زائد فوجی مداخلت کی حمایت کرتا تھا۔ جبکہ بقیہ نصف مخالفانہ جذبہ رکھتا تھا۔ جب سیاست کی تقسیم تین طرفہ ہوگئی تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ دو روایتی سیاسی جماعتوں کے علاوہ ایک تیسری قوت کو میدان میں اُتارا جائے۔ اس کا پہلا تجربہ 2002 کے انتخابات میں کیا گیا۔ جب مسلم لیگ کے ایک نئے گروپ نے مسلم لیگ ق کے نام سے انتخاب میں حصہ لیا۔ لیکن 1988 کے بعد کے انتخابات کے برعکس فوجی مداخلت کی اس حامی جماعت کو کافی ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ سابقہ انتخابات میں فوجی مداخلت کی حامی جماعت بالعموم پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرلیتی تھی۔ لیکن مسلم لیگ (ق) ایسا نہ کر سکی۔چنانچہ 2002 میں پارلیمنٹ کی تشکیل کے بعد پیپلز پارٹی کو تقسیم کر کے اُس میں سے ایک نئی پیپلز پارٹی (پٹریاٹ) کے قیام کے ذریعے ایک حکومت قائم ہوئی۔ رائے عامہ میں فوجی مداخلت کے لیے رائے عامہ کو ہموار کرنے کا مسئلہ رفتہ رفتہ سنگین ہوتا گیا ہے۔ یہاں تک کہ جب 2007 میں پاکستان کی تاریخ کی نویں فوجی مداخلت کا وقت آیا تو فوج کو سخت ہزیمت اُٹھانا پڑی۔کیونکہ کہ آئین میں اِس کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے یہ مداخلت آئین شکن مداخلت کی گنتی میں آتی ہے۔پاکستان کی سابقہ 8 فوجی

مداخلتوں کے برعکس اس مداخلت کو پارلیمنٹ، عدالت اور غیر سرکاری سول سوسائٹی تینوں میدانوں میں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

2007 کے مارشل لاء کی زندگی بہت مختصر ثابت ہوئی۔ اُس کے بعد سے پارلیمانی سیاست پر اعتماد کی فضا میں اضافہ ہوا۔ یہ اس کے باوجود ہے کہ رائے عامہ سیاستدانوں کو فرداً فرداً اور گروہی طور پر شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ تبدیلی کا سبب یہ ہے کہ پارلیمانی سیاست نے اپنے وجود کو آئین پاکستان کے تحفظ سے منسلک کر لیا ہے۔ رائے عامہ آئین پاکستان اور سپریم کورٹ کو ایک خاص طرح کا تقدس دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 2014 میں جب کسی آئین شکن فوجی مداخلت کا اندیشہ ظاہر ہوا تو رائے عامہ میں اُس کی تائید پارلیمنٹ اور پارلیمنٹ کے باہر کوئی قابلِ ذکر گروہ فوجی مداخلت کے حق میں سامنے نہیں آیا۔ عمومی رائے عامہ کے سروے بھی اسی سمت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے بگڑتے ہوئے حالات میں فوجی مداخلت کی نوبت آئی تو یہ رائے عامہ کی تائید نہ ہونے کے لحاظ سے پاکستان کی ابتدائی آٹھ فوجی مداخلتوں کے مقابلے میں اُس فوجی مداخلت کے مشابہ ہوگی جو فوجی مداخلت کے تاریخی سلسلے میں نمبر 9 تھی اور 2007 میں ظہور پذیر ہونے کے جلد بعد ہی منسوخ کر دی گئی تھی۔

رائے عامہ

		حمایت	مخالفت	
1	1958	مغربی پاکستان کی اکثریتی رائے عامہ	مشرقی پاکستان کی اکثریتی رائے عامہ	Not available
2	1969	مغربی پاکستان میں اکثریتی رائے	مشرقی پاکستان میں اکثریت نہ صرف مارشل لاء بلکہ فوج ہی کی مخالفت ہو چکی تھی	Not available
3	1977	مسلم لیگ کے دور گروپ، تین مذہبی جماعتیں، ولی خان ان جماعتوں کو 1970 میں موجودہ پاکستان کا قریب پچاس فیصد ووٹ ملا تھا **(50%)**	پیپلز پارٹی اور اس کی حمایت میں بعض چھوٹے سیاسی گروہ۔ پیپلز پارٹی کو 1970 کے انتخاب میں قریباً 40 فیصد ووٹ ملا تھا **(40%)**	Not available
4	1988	بھٹو مخالف گروپ جس کا ووٹ بینک قریباً 40% تھا **(40%)**	پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کے چھوٹے گروپ۔ جن کے ووٹ بینک قریباً 40% تھا۔ **(40%)**	حمایت 56% مخالفت 19% غیرواضع رائے 25%
5	1990	بھٹو مخالف پارٹیاں اسلامی جمہوری اتحاد ووٹ بینک قریباً 40 فیصد۔ **(40%)**	پیپلز پارٹی اور اس کی حامی جماعتیں۔ پاکستان ڈیموکریٹ الائنس (PDA) مجموعی ووٹ اندازاً 40 فیصد۔ **(40%)**	حمایت 67% مخالفت 22% غیرواضع رائے 11%
6	1993	پیپلز پارٹی اور اس کے حامی گروپ جس نے فوجی انتخاب کے بعد والے انتخاب میں اندازاً 40 فیصد ووٹ لئے **(40%)**	مسلم لیگ (ن) جس نے اندازاً 40 فیصد ووٹ لئے **(40%)**	Not available
7	1996	مسلم لیگ نواز اور دیگر بھٹو مخالف گروپ جنہیں اس اقدام کے بعد اندازاً 50 فیصد ووٹ ملے **(50%)**	پیپلز پارٹی اور حامی گروپ جنہیں اس کے بعد ہونے والے انتخاب جس میں قریباً 30 فیصد ووٹ ملے **(30%)**	حمایت 82% مخالفت 9% غیرواضع رائے 9%

		حمایت	مخالفت	
8	1999	پیپلز پارٹی اور دیگر حزب اختلاف کی جماعتوں نے نیم دلی سے خاموش حمایت کی۔ ان کا مجموعی ووٹ 40 فیصد کے قریب تھا۔ **(40%)**	مسلم لیگ نواز جس کی انتخابی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ 1990 کے بعد سے اُس کا ووٹ بینک 40 فیصد کے لگ بھگ رہا۔ **(40%)**	حمایت 68% مخالفت 15% غیر واضع رائے 17%
9	2007	مسلم لیگ (ق) جس نے 2008 میں 23 فیصد ووٹ لیا تھا۔ **(23%)**	جن جماعتوں نے واضح مخالفت کی ان کا ووٹ بینک 60% سے زائد تھا۔ **(60%)**	حمایت 16% مخالفت 68% غیر واضع رائے 16%
10	2014	پاکستان تحریک انصاف نے پارلیمنٹ کے سیشن میں شرکت نہیں کی۔ پاکستان تحریک انصاف کا ووٹ کل ووٹوں کا 17% ہے۔ بعض دیگر امکانات کو اس میں شامل کرلیا جائے تو حمایت کی شرح کو 25% کہا جاتا ہے۔ **(25%)**	پارلیمنٹ کی تمام سیاسی جماعتوں نے مشترکہ سیشن میں کسی ممکنہ قومی مداخلت کی مخالفت کی۔ اگر تحریک انصاف اور بعض ممبران کے ووٹ کو حمایت میں تسلیم کریں تو مخالفت کو محتاط انداز میں 75% کہا جاسکتا ہے۔ **(75%)**	رائے عامہ کے سروے میں موجودہ جمہورت اور فوجی حکومت میں کس کو ترجیح دیں گے کے جواب میں نتائج درج ذیل ہیں۔ **فوجی حکومت کی:** حمایت 17% مخالفت 74% غیر واضع رائے 16%